اقبال اور تحقیقاتِ اسلامی

محمد ناصر

علامہ اقبالؒ بیسویں صدی میں عالم اسلام کی ان چند منفرد شخصیات میں سے تھے جو اس بات کے شدت سے قائل تھے کہ احیائے اسلام کے لئے تحقیقات اسلامیہ کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود اس میدان میں کام کیا بلکہ اس مقصد کے لئے جس قدر جدوجہد ممکن تھی کی۔ علامہ نے آج سے ایک صدی قبل جب آنکھ کھولی تو عالم اسلام کا بیشتر حصہ فرنگی استعمار تلے دب چکا تھا۔ یہی نہیں انہیں اپنے دور ہی میں خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے اور عرب دنیا کے ایک بڑے حصے کو مغربی طاقتوں کے پنجے میں گرفتار دیکھنا پڑا۔ اقبال نے اپنی زندگی میں عالم اسلام کو سیاسی اور معاشی اعتبار سے جس طرح محکوم و پامال دیکھا۔ اس کی وجہ سے ان کے اضطراب کی جھلکیاں ان کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں مسلم ممالک کی محکومی اور بدحالی کو دیکھ کر دو طرح کے ردِ عمل پیدا ہوئے۔ ایک طرف کچھ زعماء مغرب کی اندھی تقلید اور سرزمینِ فرنگ سے آئی ہوئی ہر چیز کو آیۂ رحمت قرار دینے پر مصر تھے اور اپنے ہم وطنوں کے گلے میں طوقِ غلامی کو مضبوط کرنے ہی میں عافیت و فلاح کو مضمر سمجھتے تھے، یہ گروہ مغرب کی تکنیکی اور سائنسی ترقی ہی سے نہیں دیگر علوم و فنون بلکہ نظریات و فلسفہ کے میدان میں بھی ان سے مرعوب تھا۔ ظاہری رسوم و رواج، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، لباس غرض ہر اعتبار سے مغرب کی برتری کا قائل تھا اور اپنی قوم کو مغرب کے رنگ میں رنگ دینے کیلئے مضطرب اور بے چین۔ ان میں سے کچھ لوگ اسلام اور مسلمانوں سے خیر خواہی کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے لیکن یوں کہ اسلام اور مغربی استعمار کا ایک نیا آمیزہ تیار ہو جائے اینگلو محمڈن کی اصطلاح اس وقت عجب سی لگتی ہے لیکن ان کی فکر کی معراج یہ تھی کہ مسلمان کو کسی طرح اینگلو محمڈن بنا دیا جائے اور بس۔

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے بھی اسی دور میں آنکھ کھولی لیکن مسلمانوں کے زوال اور سیاسی محکومیت دیکھ کر انہوں نے ظاہری اسباب و علل کی بجائے اصل اسباب کی طرف توجہ دی۔ وہ سطح بین نہ تھے بلکہ معاملات کو گہری نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ قرآن حکیم، احادیث اور اپنے علوم و فنون پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے ان کی سوچ کا انداز مختلف تھا۔ پھر یہی نہیں اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک دل باخبر عطا کیا تھا خود ان کی دعا بھی یہی تھی ؎

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ
در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ [1]

یہی وجہ تھی کہ وہ فکری لغزشوں سے بچ نکلے جن میں اسلام اور مسلمانوں کے نادان دوست مبتلا تھے اقبال نے فکرِ مغرب اور مغربی معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ مغرب کی اسلام دشمنی اور اس کی بے مائیگی دونوں سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلم ممالک کسی طرح سیاسی غلبے سے نجات حاصل کر لیں اور فکری اعتبار سے اپنے علوم و فنون کے احیا کا فریضہ انجام دیں تو وہ ایک بار پھر دنیا کی امامت (Leadership) کے منصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ تاہم وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ محض سیاسی غلامی سے نجات کافی نہیں، مغرب سے درآمد شدہ نظریات و افکار کی غلامی سے نجات اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ جب کبھی مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا، اسلام ہی مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ بنا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے حیات بخش قوانین پر عمل کے ذریعے غلامی سے نجات حاصل کی جائے۔ انہوں نے کہا ؎

سنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے [2]

اگر ملّت اسلامیہ کے عروج و زوال پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ سیاسی و علمی قیادت کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ جب مسلمان علمی فتوحات کے میدان میں دنیا کی امامت کر رہے تھے وہاں سیاسی و فوجی کامیابیاں بھی ان کے قدم چوم رہی تھیں۔ جب تحقیق کے میدان میں مغرب نے سبقت کی تو ساتھ ہی اس کا سیاسی غلبہ بھی ہم رکاب ہوا۔ اقبال کے گہرے تاریخی شعور سے یہ بات اوجھل نہ ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جہاں تحقیق کے میدان میں خود سبقت کی وہاں اپنے معاصرین کی توجہ

بھی اس طرف دلائی۔ انہوں نے سرزمین ہند کے مسلمانوں کے میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاعری کی زبان کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ ان کے نزدیک شاعری کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کی حیاتِ نو کے لئے جو کچھ سوچا سمجھا وہ اس ذریعے سے لوگوں تک پہنچا سکیں وہ مقصود بالذات، شاعری کو بت پرستی اور بت گری قرار دیتے تھے کہتے ہیں ؎

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست [۳]

ایک اور جگہ فرماتے ؎

نہ بینی خیر ازاں مرد فرد دست
کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست [۴]

اقبال اس اعتبار سے برصغیر ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں تحقیق کے میدان میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تحقیقی نتائج کو نہ صرف یہ کہ شعر کی زبان میں بیان کیا بلکہ اس خوبصورتی کے ساتھ کہ ظاہر بین دھوکا کھا گئے اور خود اقبال کو شکایت کرنا پڑی کہ ؎

مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اقبال کے کلام پر نظر ڈالیے اس کی گہرائی اور وسعت جس کی تشریح دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) کی محتاج ہے، مضامین کا بے پناہ انتخاب جغرافیہ، نباتات، حیوانیات سے لے کر فلسفہ، تاریخ، شعر و سخن کے رموز، اقتصاد، مابعد الطبیعات، منطق اور کیمیا تک سب کچھ آپ کو یوں ملے گا کہ آپ ایک نظر دیکھ کر گذر جائیں تو آپ کو احساس تک نہ ہوگا لیکن اگر غور و فکر کے دریچے وا کر کے اقبال کے رموز تک پہنچنے کی کوشش کریں تو پتہ چلے گا کہ کسی اونچے درجے کی دانش گاہ یا ادارۂ تحقیقات میں داخل ہو گئے ہیں۔

پھر اقبال کے یہاں مضامین کا اس قدر تنوع کے باوجود ایک بنیادی فکر کا سراغ ملتا ہے جس کا منبع قرآن حکیم کے سوا کچھ نہیں خود اقبال اپنے فکر کی بنیاد قرآن حکیم کو قرار دیتے ہیں۔ انہیں شاید اپنی زندگی ہی میں احساس ہو گیا تھا کہ لوگ ان کی سوچ میں نٹشے اور برگساں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے جس وضاحت اور شد و مد کے ساتھ یہ کہا اس کے بعد اس نوع کی ژولیدہ فکری

کہ کہیں مارکس کی معاشی تعلیمات اور نٹشے کا سراغ لگایا جائے اور کہیں برگساں اور کانٹ کے افکار کو اقبال کے بنیاد بتایا جائے، انتہا درجے کی علمی بددیانتی ہوگی۔ وہ اپنی تحقیق کے مآخذ کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں عرض گذار ہوئے ہیں:

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دلِ اسرارِ قرآں سفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسان تو ناکس کس است
یک دعایت مزد گفتارم بس است [۶]

اگر میرا دل آئینہ بے جوہر ہے اور اگر میرے اشعار میں قرآن کے علاوہ دوسری چیزیں مضمر ہیں تو میرے افکار کی ناموس کا پردہ چاک کر دے اور اس گلشن کو مجھ جیسے کانٹے سے پاک کر دے۔ قیامت کے دن مجھے خوار و رسوا کر اور اپنے بوسۂ پا سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں نے اسرارِ قرآن بیان کئے ہیں اور مسلمانوں تک حق بات پہنچائی ہے تو اے حضورؐ جن کے احسان نے ناکسوں کو قوت بخشی ہے آپ کی ایک دعا ہی میرے لئے بہت صلہ ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقبال کو جو عشق تھا اس کے پیش نظر یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال اپنے حق میں اتنی بڑی بددعا کا حوصلہ کر سکتے تھے۔ یہ بات خود ان کے کلام سے بالکل واضح ہے کہ ان کے کلام کا سرچشمہ صرف قرآنِ پاک تھا۔

اقبال نے شعر کی زبان میں قرآنِ حکیم کی جو تشریحات کیں ان کے علاوہ وہ نثر میں اپنے افکار قلمبند کرنے کے متمنی تھے۔ وہ اپنے دوست راس مسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھے کچھ عرصہ پہلے تو اس خیال سے مسرت تھی ..... کہ میں قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور رہیں۔ لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیات مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آ جائے تو میں سمجھتا ہوں قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیشکش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔ بہر حال دیدہ باید۔ ہر امر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر اس دور میں اسلام کی اس خدمت کا شرف میرے لئے مقدر ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے لئے ضروری ذرائع بہم پہنچا دے گا۔"

افسوس کہ اقبالؔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ انہوں نے اس کتاب کے لئے مواد اکٹھا کر لیا تھا۔ اس کا خاکہ (Synopsis) بھی بنا لیا تھا لیکن مناسب معاون میسر نہ آنے کی وجہ سے یہ انتہائی اہم منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس خاکے کے کچھ عنوانات یہ تھے جن کی حیثیت اشارات کی سی ہے۔

ا۔ اسلام کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۱)۔ اس میں قوت اور استعدادِ حیات ہے۔

(۲) اسلام اور جدید دنیا اور سلطنتِ برطانیہ۔

ب۔ اسلام اور مملکت (Empire) اسلام پر عرب مملکت کا اثر۔

ج۔ اسلام کے جدید طالب علم کی مشکلات۔

د۔ اسلام کیا ہے؟

ہ۔ اسلام مذہب سے بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

دوسرا خطبہ:۔ اسلامی قانون۔

و۔ مذہب۔ رہبانیت۔ متعرائیت، ظلمت، مسجد کا تصور

(۲) کیا یہ ہستئ غائب کے خوف کا نام ہے۔

(۳) کیا یہ ما فوق الحواس ہستی سے تعلق خاطر ہے۔

(۴) کیا یہ کوئی باطنی تعلیم ہے جو سینہ بسینہ آگے چلتی ہے؟

(۵) مذہب (کا لفظ) قرآن میں استعمال نہیں کیا گیا۔

ب۔ اسلام۔ تمام مذاہب (جن معنوں میں یہ لفظ قدیم زمانہ میں استعمال ہوتا رہا ہے) کے خلاف

محتاج ہے ۔

(۱) ختم نبوت ۔

(۲) اسلام میں نجات کا تصور ۔

(۳) کوئی متصوفانہ (باطنی) تعلیم نہیں ۔

(۴) ایمان باللہ (غیب) ۔

نوع انسانی سے نسلی تفریق مٹانا ۔ اختلافا (لتعارفوا) شعوبا ۔ معاشی مساوات (قل العفو)

ج ۔ کلیسا اور ریاست ۔

د ۔ اسلام اور عورت

ھ ۔ اسلام اور سرمایہ داری ۔

و ۔ دنیا کا علم ایک تحریک کی حیثیت سے ۔ تاریخ ۔ تصوف ۔

یہ نوٹ جو کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں جگہ جگہ قرآن حکیم کی مختلف آیات کے اشارات درج ہیں، ابھی تک اقبال کے تصورات کی روشنی میں زیادہ پھیلا کر نہیں لکھے گئے ۔ ۵۸

علامہ نے ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط میں بھی اسی کتاب کے بارے میں یوں اشارہ کیا ہے :

"عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا مبداء اور سرچشمہ قرآن مجید ہے ۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ۔ بدقسمتی سے اہل مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں ۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں" ۔ ۵۹

اقبال اسلامی فلسفہ ہی نہیں فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ لکھی جانے کی ضرورت بھی محسوس کرتے تھے ۔ خود وہ بھی اس موضوع پر لکھنے کے متمنی تھے ۔ مولینا سید سلیمان ندوی سے ان کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ان کے ان ستر سے زائد خطوط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے سید صاحب کی

خدمت میں ارسال کئے۔ وہ اکٹھے افغانستان گئے تھے اس سفر کی دلچسپ روداد "سیر افغانستان" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ علامہ نے سید صاحب کو ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد کے لقب سے یاد کیا تھا۔ وہ انہیں کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"مخدومی السلام علیکم! اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس بحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گزری ہے مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے۔ اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔ میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آ رہا ہے جس کی ابتداء یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے۔ اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لئے کیا کیا نتائج پیدا کئے۔ ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو..... کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک راستہ پر لگائے۔ غرضیکہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو رہنمائی کی سخت ضرورت ہے، اور یہ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں، سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے"۔[۱۳]

علامہ کا رجحان عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کے گہرے مطالعہ کی وجہ سے زیادہ تر قدیم کی طرف تھا۔ وہ تجدد پسند گروہ سے تعلق نہ رکھتے تھے جن کا تمام تر سرمایہ مغرب کے چند فلسفی ہوتے ہیں اور بس۔ علامہ نے جہاں مغرب کے نظام فلسفہ کو اچھی طرح جانچا پرکھا تھا وہاں ان کی نظر قرآن حکیم

اور دیگر اسلامی علوم پر بھی تھی اور چونکہ انہوں نے مغرب کو خود اچھی طرح دیکھا تھا اس لئے وہ مرعوبیت جو علامہ کے ہم عصروں میں عام طور پر پائی جاتی تھی، علامہ کی فکر اس سے بالکل پاک تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا گہرا تعلق ان لوگوں سے تھا جو انتہائی متوازن سوچ اور صحیح الفکری کے حامل تھے۔ اکبر الٰہ آبادی اور مولانا سید سلیمان ندویؒ، سید مسعود عالم ندویؒ سے ان کے مکاتیب کا تبادلہ اور تعلق بھی اسی بات کا غماز ہے کہ علامہ کی فکر کے سوتے اسلام ہی کے سرچشمے سے پھوٹتے تھے اس میں مستشرقین کے گدلے پانی کی آمیزش نہ ہوئی تھی سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں "ندوہ" اور "علی گڑھ" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں "قدیم" ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ "جدید" بلکہ میرا ذاتی میلان "قدیم" کی طرف ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی استیلاء کا اندیشہ ہے جس کا سدباب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالکِ اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو" [۱۳]

علامہ نوجوان محققین کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ برصغیر کے گوشے گوشے سے متلاشیانِ علم ان کی خدمت میں سوالات بھیجتے وہ ان کا جواب لکھتے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ان کے ذاتی مسائل کے حل تک میں دلچسپی لیتے۔ مغرب کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینا ان دنوں تو عام سی بات ہے لیکن علامہ کے دور میں اسے خاص اہمیت دی جاتی تھی اور لوگ اسے باعث فخر سمجھتے تھے۔ حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری مرحوم اگرچہ بنیادی طور پر اسلامی تحقیقات کا کام کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی خواہش تھی کہ وہ مغربی یونیورسٹیوں میں سے کسی ایک میں داخلہ لے لیں ان کے نام ایک خط میں انہوں نے مغربی مستشرقین کے مقاصد کار کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلامی تحقیق کے نام سے جو کارروائیاں جاری ہیں ان کا خاتمہ بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں پر تحقیق کرنے کی بجائے ان میں تفرقہ اندازی پیدا کرنے اور ایمانیات و اعتقادات کو کمزور کرنے کی کوششوں پر مشتمل ہے صلیبی جنگوں کے پس پشت جو جذبہ کارفرما تھا وہی جذبہ ان نام نہاد محققین کے رگ وپے میں پایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کارروائیوں کو چھپانے

کے لئے خالص علمی نوع کے کام بھی انجام دیئے جاتے ہیں لیکن اصل حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کیا خوب لکھتے ہیں:

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے، فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مصر جایئے۔ عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ تصوف فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمتِ اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے" [۱۴]

ایک اور جگہ علامہ کہتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ یورپ میں رسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔" [۱۵]

اس میں شک نہیں کہ مغرب میں ان مستشرقین نے اسلامی علوم پر کتب و رسائل اور مخطوطات کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ مخطوطات کو ایڈٹ کیا ہے اور طلبہ تک پہنچایا ہے۔ حوالے کی قیمتی کتب مرتب کی ہیں یہ بھی درست سہی کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیاں اور تحقیقاتِ اسلامیہ کے مختلف ادارے اہل علم کو جو سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں وہ خاصی دل خوش کن ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اصل مقاصد کیا ہیں۔ حقائق کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام ادارے اور ان کا علمی سرمایہ اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی کے پیشِ نظر وجود میں نہیں لایا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال کو یہ مشورہ دینا پڑا کہ وہ مغرب کا رُخ کرنے کی بجائے مصر جا کر عربی سیکھیں اور اسلام کی روح تک پہنچنے کی کوشش کریں ؎

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر [۱۶]

اقبال کا مسلک تھا اور اسی کے پیش نظر انہوں نے عملی طور پر اس بات کی کوشش کی وہ برِ صغیر میں مسلمانوں کی رہنمائی اور تمدنِ اسلام کے احیاء کا کام کرنے والی ایک جماعت پیدا کریں۔ وہ ایسے علماء تیار کرنے کے لئے کوشاں تھے جو عصر حاضر کے مسائل سے بھی پوری طرح آگاہ ہوں اور اسلام کی روشنی میں انہیں حل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ شیخ الازہر کے نام ان کا مکتوب یہی مضمون لئے ہوئے ہے۔ وہ اس جماعت کی تربیت کے لئے تمام تر سہولتیں فراہم کرنا چاہتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتابیں موجود ہوں اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو۔ مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدن اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔" [۱۱]

علامہ کی کوششوں کے نتیجے میں دارالاسلام کا قیام عمل میں آ گیا تھا۔ افسوس کہ یہ علاقہ (پٹھانکوٹ) پاکستان میں شامل نہ ہو سکا اور اس طرح یہ قیمتی ادارہ پاکستان میں نہ آ سکا۔ علامہ علیگڑھ میں علوم اسلامیہ کی سکیم سے بھی بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ علامہ نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام ایک خط میں جس کی حیثیت ایک نوٹ کی سی ہے۔ علوم اسلامیہ سے متعلق ایک سکیم پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسرِ کار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہیں لوگوں کے ہاتھ انجام پا سکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کئے جائیں۔" [۱۲]

اس نوٹ میں مردان کار کی تیاری کے لئے مختلف تجاویز کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال صرف نظری اعتبار ہی سے تحقیقات اسلامیہ کی ضرورت کے قائل نہ تھے بلکہ عملی طور پر بھی اس مقصدِ عظیم کے لئے مسلسل کوشاں تھے۔ خود انہیں فقہ و تفسیر سے متعلق ذہن میں پیدا شدہ

خیالات کی ترتیب اور مختلف مسائل کی توضیح کے لئے کسی مناسب شخص کی تلاش تھی جو ان کے مددگار بہ حیثیت سے کام کر سکتا۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے کئی احباب کو لکھا۔ مولوی احمد رضا بجنوری صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"کیا آپ کسی ایسے بزرگ کا نام تجویز فرما سکتے ہیں جس کی نظر فقہ اسلام اور اصول فقہ و تفسیر پر وسیع ہو اور جو شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور ان کی کتابوں پر پوری بصیرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی ایسے بزرگ مل جائیں تو میں ان کو اپنی کتابوں کے سلسلے میں کچھ مدت کے لئے اپنے پاس رکھ لوں گا اور اس مدد کا جو مجھے ان سے ملے گی مناسب معاوضہ دوں گا" [۱۹]

یہ خط ۱۹۳۶ء کے اواخر کا تحریر کردہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اسی کتاب کے سلسلے میں لکھوایا گیا تھا جس کا ذکر پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ کاش کہ اقبال کی زندگی وفا کرتی اور انہیں مناسب معاون مل جاتے جو ان کی مدد کر سکتے۔

علامہ جہاں ہندوستان میں تحقیقاتِ اسلامیہ کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے تھے وہاں انہوں نے دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس کام کی طرف توجہ دلائی۔ پروفیسر خالد خلیل (استنبول یونیورسٹی) کے نام ایک خط کے آخر میں (جو اسلامی علم الانساب سے متعلق تھا اور جس میں ایک کام کو مستقلاً انجام دینے کے لئے ایک وسیع منصوبہ پیش کیا گیا تھا) یہ لکھتے ہیں۔

"آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں گو اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے۔ ادارۂ دینیات کو چاہیئے کہ دینیات کی ایک پروفیسر شپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکار جدید کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں اب وقت آ چکا ہے کہ اسی کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہیئے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہا ہے اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل و الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے۔ وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سرِ نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے۔ اس شعبہ میں کیوں بے حس و حرکت رہے۔ ادارۂ دینیات کو ایک جدید علم کلام کی طرح ڈالنی چاہیئے اور

ری کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و مصئون کر لینا چاہیئے۔ مذہب قوم میں ایک
توازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیات ملی کے مختلف پہلوؤں کے لئے بیش قیمت سرمایہ کی حیثیت رکھتا
بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت ہی سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا
ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت
ں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔" ۲۰

ایک جدید علم کلام کی طرح ڈالنے کی ضرورت کا احساس علامہ کو ہمیشہ سے رہا۔ انہیں علماء کی قدامت
پستی سے شکایت تھی کیونکہ اس طرح اجتہاد اور فکر اسلامی کی تجدید نو کی طرف سے بے توجہی کا رویہ پیدا
ہو چکا تھا وہ لکھتے ہیں۔

"افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلانِ طبعیت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت
پستی میں مبتلا ہیں..... ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے
بند ہیں.... میری رائے ناقص میں مذہب اسلام کو یا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ
اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔" ۲۱

انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ یہ صورتِ حال اس لئے پیدا ہوئی کہ نظام تعلیم کی اساس
بدل گئی۔ اسلامی مسائل پر سوچ بچار اور تحقیق و فہم کے لئے جس تعلیم کی ضرورت تھی وہ مفقود ہو گئی۔ وہ
لکھتے ہیں:۔

"مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہے
افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر
دنیوی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے" ۲۲ ۔

ایک اور جگہ اسی چیز کا افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے اور قرآن کی
یا محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت و توکل کے وہ
معنی لئے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں..... اسی طرح ان لوگوں نے بڑی بے دردی سے قرآن
اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیئے ہیں۔" ۲۳

وہ تعلیمی نظام کے اس مہیب خلا کو جو انگریزوں کی سازش کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا پورا کرنے کے لئے دینی ذہن رکھنے والے اصحاب کو طلبہ سے میل جول بڑھانے اور ان کو اسلام کی اساس کے بارے میں بتانے کے لئے توجہ دلاتے تھے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے نام (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے) ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"آپ علیگڑھ جا کر مذہبی مضامین پر طلبہ سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص) اسلام کے خلاف اس وقت عمل کر رہی ہیں۔ مسلمان نوجوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے۔ لیکن افسوس کوئی آواز ہم میں نہیں کہ اس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو..... اسلام کے لئے اس ملک میں نازک وقت آ رہا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔"

علامہ خود خرابی صحت کے باوجود کسی ایک نوجوان محقق کے کام آنے کے لئے تیار تھے جو تحقیقات اسلامیہ پر کام کرنا چاہتا ہو لکھتے ہیں :

"خرابی صحت کی اس حالت میں بھی کسی حد تک ایک نوجوان محقق کے کام آ سکتا ہوں اور ان مسائل کی تفہیم میں اس کی مدد بھی کر سکتا ہوں جنہوں نے ہمارے آباء کے دلوں کے اندر ولولہ پیدا کیا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسا عالم عربی میں اچھی قدرت رکھتا ہو اور مجھ مریض کے پلنگ کے پاس بیٹھنے کے لئے کچھ وقت بھی نکال سکے۔" ۲۵

علامہ کا سید سلیمان ندویؒ سے جو گہرا تعلق ہے اس کا اظہار ان کے خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے سید صاحب کے نام لکھے۔ علامہ ان سے ہمیشہ رہنمائی کے طالب رہتے۔ ۱۹۳۴ء میں سید صاحب کے نام خط میں لکھتے ہیں :-

"دنیا عجیب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار کے خلاف ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ) بھی حالت نزع میں ہے۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے

اس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے۔ اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے" [۲۶]

ان سب خطوط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال تحقیقات اسلامیہ کے سلسلے میں ایک اضطراب رکھتے تھے۔ ان کی مسلسل سوچ اور اضطراب جس کا اظہار انہوں نے خود ان اشعار میں کیا ہے۔

اک اضطراب مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستاں دراز نہیں [۲۷]
اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں
لبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی [۲۸]

ان کے اس اضطراب مسلسل کی داستان ان کے اشعار ان کے خطوط اور زندگی کے مختلف واقعات میں بکھری ہوئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال تحقیقات اسلامیہ کو احیائے اسلام کی تحریک کا اہم جزو سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کی بنیادوں پر ایک جدید علم کلام کی عمارت قائم کرنے کے لئے مردان کار کی جستجو میں رہتے۔ اور خود بھی اس کام کو اپنی زندگی کی مہمات میں سے سمجھتے تھے۔ خود اقبال نے مختلف موضوعات پر تحقیق کے لئے جگہ جگہ اشارات چھوڑے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ تحقیقاتِ اسلامیہ کے جس مہتم بالشان کام کو اقبال خود کرنا اور کرانا چاہتے تھے، اس کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے اور اقبالیات کے طالب علم محض ان کے اشعار کی داد دینے کی بجائے اس اہم کام کی طرف توجہ کریں۔

*****

حواشی

۱۔ کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۳۹۶

۲۔ علامہ اقبال، ضرب کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۶۳

۳۔ کلیات اقبال، ص ۱۰

۴۔ ایضاً ص ۵۳۸

۵۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار پر مبنی دائرۃ المعارف تیار ہو۔ اس میں اقبال کی دلچسپی کے تمام موضوعات پر بھی اعلیٰ درجے کے مقالے لکھوا لئے جائیں اور یہ کم از کم دس جلدوں پر محیط ہو۔

۶۔ کلیات اقبال۔ ص ۱۶۸

۷۔ مکتوب بنام راس مسعود، ۲۶ اپریل ۱۹۳۵ء در اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ، شیخ محمد اشرف، لاہور، تاریخ ندارد۔ حصہ اول، ص ۳۵۷-۳۵۸۔

۸۔ ان نوٹس کا ترجمہ اور ضروری حواشی پروفیسر رحیم بخش شاہین کے قلم سے دو ماہی مجلہ اسلامی تعلیم لاہور کے اقبال نمبر مارچ تا جون ۷۴ء شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۳، ۴۴-۴۴، ۴۷

۱۰۔ ملاحظہ ہو سیر افغانستان از سید سلیمان ندوی، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۵ء صفحات ۲۰۴ اور سیاحت اقبال از حق نواز، کتاب مرکز، لائلپور، ۱۹۷۶ء ص ۲۰۳ تا ۲۵۱۔

۱۱۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۱۷

۱۲۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی ۱۸ مارچ ۲۶ء۔ ایضاً ص ۱۴۲-۱۴۵

۱۳۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی، اپریل ۲۶ء ایضاً ص ۱۴۸

۱۴۔ ایضاً ص ۳۹۸-۳۹۹

۱۵۔ خطوط اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، مکتبہ خیابان ادب لاہور۔ ۱۹۷۶ء ص ۶۶

۱۶۔ علامہ اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۴۷ء ص ۱۹۸

۱۷۔ اقبال نامہ حصہ اوّل، ص ۲۵۱ - ۲۵۲

۱۸۔ ایضاً حصہ دوئم ۲۱۷

۱۹۔ ایضاً ص ۲۴۱ - ۲۴۲

۲۰۔ ایضاً ص ۲۸۲

۲۱۔ ایضاً ص ۲۴

۲۲۔ ایضاً حصہ اول ص ۲۵۹

۲۳۔ بنام سراج الدین پال، ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء، ایضاً ص ۴۱

۲۴۔ بنام مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ایضاً ص ۲۳۹

۲۵۔ خطوطِ اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، ص ۲۹۵

۲۶۔ اقبال نامہ حصہ اوّل ص ۱۸۱

۲۷۔ بال جبریل ص ۵۹

۲۸۔ ایضاً ص ۲۷

****